علمی تحقیق

شعبۂ تخصص فی الحدیث: ضرورت واہمیت

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ۲۷ / رجب ۱۴۴۴ھ، موافق ۱۹ / فروری ۲۰۲۳ء کو منعقد ہونے والے متخصصینِ حدیث کے پچیس سالہ اِجلاس کے موقع پر لکھی گئی ایک تحریر۔

''تخصص فی الحدیث'' کی حقیقت، اور ضرورت واہمیت سمجھنے سے پہلے خود ''حدیث'' کی حقیقت اور ضرورت واہمیت سے واقف ہونا ضروری ہے، اِس لیے پہلے اسی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

''حدیث'' کیا ہے؟

بندوں کے نام اللہ تعالیٰ کا جو پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہے، وہ دو طرح کا ہے:

ایک وہ جو الفاظ کی تعیین کے ساتھ بھیجا گیا ہے، اُس کو ''قرآن'' یا ''کتاب اللہ'' کہتے ہیں۔

دوسرے وہ جس میں مضمون اور مراد تو اللہ ہی کی طرف سے ہو، مگر اس کے لیے الفاظ متعین نہ کیے گئے ہوں، بلکہ اس پیغام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طور پر بندوں تک پہنچایا ہو: کبھی قول وعمل دونوں طرح سے، کبھی صرف قول کے ذریعے، کبھی صرف عمل کے ذریعے، اور کبھی اپنے طرزِ عمل کے ذریعے، کہ کسی بات پر خوش ہو گئے، کسی بات پر ناراض ہو گئے، کسی بات پر سکوت اختیار فرمالیا، کسی چیز سے اِعراض فرمالیا... وغیرہ وغیرہ۔

اصطلاح میں یہ سب صورتیں ''حدیث'' یا ''سنتِ رسول اللہ'' سے تعبیر کی جاتی ہیں۔

(مقدمۂ ابن الصلاح، ص ۴۸، وفتح الباری للحافظ ابن حجر: اول کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ۱۳/ ۲۴۵)۔

نیز قرآنِ کریم: مسائل واَحکام کے پہلو سے ایک قانونی اور آئینی کتاب ہے، جس میں عموماً صرف اِجمال اور اِشارہ پر اکتفاء کیا گیا ہے، جیسے وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ اور وَآتُوا الزَّكٰوةَ، ظاہر ہے کہ یہ اِجمالات واِشارات اپنی صحیح اور درست مراد کی تعیین میں وضاحت اور بیان کے محتاج ہیں، حتیٰ کہ خود آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو بھی اِس بیان کی ضرورت پڑتی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (پھر جب ہم اُس کو پڑھا کریں تو آپ صرف قراءت کی اتباع کیا کیجیے (معنیٰ کی فکر نہ کیا کیجیے)، پھر اُس کا بیان ہمارے ذمہ ہے)۔

تو جب خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''وحیٔ الٰہیٰ'' کی مزید وضاحت اور بیان کی ضرورت پڑتی تھی تو اُمت کو بدرجۂ اَولیٰ اس کی ضرورت ہے، اِسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی میں اِس ''بیان'' کو شامل فرمایا گیا، اور اِرشاد ہوا: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل) اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذِکر اتارا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں وہ جو اُن کی طرف اتارا گیا۔

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں بیان وتفسیر کی منصبی ذمہ داریوں کے تحت قرآنِ کریم کی جو جو تفسیرات اور تشریحات ذکر فرمائیں، اور تعلیمِ کتاب وحکمت، تزکیۂ نفوس وقلوب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تحلیلِ حلال، اور تحریمِ حرام کے جو جو فرائض انجام دیئے، اُن سب کو بھی ''حدیث''، یا ''سنت'' کہا جاتا ہے۔

حدیث کی اہمیت:

چوں کہ قرآنِ کریم میں عموماً اِجمال واِشارہ سے کام لیا گیا ہے، اِس لیے اُس کے الفاظ میں توسع بہت ہوتا ہے، جس سے اہلِ باطل اور اہلِ ہویٰ اپنی خواہشات کا مطلب نکالنے کا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرسکتے تھے، مگر جب ''حدیث'' (یا سنت) میں ان قرآنی نصوص کی عملی تطبیق وارِد ہوگئی تو ان ملاحدہ وزنادقہ کے لیے اِس کا موقع نہیں رہ گیا، اور دین کی تمام بنیادیں بالکل نکھر کر آئینہ ہوگئیں۔

اِسی لیے سیدنا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ کچھ لوگ تم سے متشابہاتِ قرآن کے بارے میں مجادلہ کرنا چاہیں گے، تو تم اُن کا مقابلہ احادیث کے ذریعے کرنا، کیوں کہ کتابُ اللہ کی صحیح مراد احادیث ہی کے ذریعے جانی جاسکتی ہے (سنن الدارمی ۱/ ۲۴۰، والشریعۃ للآ جری ۱/ ۴۱۹)۔

سیدنا حضرت علیؓ نے جب حضرت ابن عباسؓ کو خوارج سے مناظرہ کے لیے بھیجنا چاہا، تو فرمایا کہ اُن سے صرف قرآن کے حوالے سے گفتگو مت کرنا، اس لیے کہ قرآن کے الفاظ میں بہت توسع ہوتا ہے، لہٰذا اُن سے حدیث کے حوالے سے گفتگو کرنا، کیوں کہ قرآن کی صحیح مراد کی تعیین حدیث ہی سے ہوتی ہے۔

(الطبقات لابن سعد، الجزء المتمم لطبقات الصحابۃ ۱/ ۱۸۱)۔

اِس تناظر میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی یہ بات نہایت قیمتی بھی ہے، اور بالکل بجا بھی کہ:

''اللہ تعالیٰ نے ''علمِ حدیث'' میں فتنوں اور فکری انحراف سے محفوظ رکھنے کی خاص تاثیر رکھی ہے، ہر زمانے کے مخصوص سیاسی و اجتماعی حالات نے امتِ مسلمہ کے لیے متعدد فتنے کھڑے کیے، بسا اوقات ان فتنوں کے سیلاب میں بہہ جانے سے جو لوگ بچ رہے وہ بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، لیکن بحیثیت مجموعی امت کو انحراف سے بچانے والی چیز ''علمِ حدیث'' ہی ثابت ہوا''

(حیاتِ نعمانی ص ۳۳۵ :، اَز: مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، بحوالہ مضمون مولانا یاسر عبداللہ کراچی)۔

حدیث اور علم الحدیث:

چوں کہ قرآنِ کریم کے برعکس حدیث شریف میں الفاظ بذاتِ خود مقصود نہیں تھے، اس لیے اس کا سب سے پہلا جو واسطہ تھا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت، اُس نے حدیث کے الفاظ کی حفاظت کا اُس طرح اہتمام والتزام نہیں کیا جس طرح کہ قرآن کے الفاظ وکلمات، بلکہ حرکات وسکنات اور اوقاف تک کی حفاظت کا اہتمام کیا، اِسی لیے اُن حضرات کے ہاں حدیث میں روایت بالمعنی کا رواج عام رہا (فتح المغیث للسخاوی ۱۲۱/۳)۔

اِسی طرح اِسلام میں قرآن کو آئین اور قانون کی کتاب کی حیثیت حاصل تھی، جب کہ حدیث کا مرتبہ اِسی قانون کی تشریح وبیان اور عملی تطبیق پر مشتمل تعلیمات وہدایات کا تھا، اِس لیے صحابہ کرامؓ نے جس قدر زور وشور اور اہتمام سے قرآن کو لوگوں تک پہنچایا اور پھیلایا، اُس انداز سے حدیث کی تبلیغ کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔

قرآن وحدیث کی حفاظت اور دونوں کی تبلیغ کی نوعیت میں اِس فرق کی بڑی وجہیں دو اور تھیں:

پہلی بڑی وجہ یہ تھی کہ اگر ابتدا ہی سے قرآن ہی کی طرح حدیث کو بھی پڑھنے پڑھانے اور ہر طرف عام کرنے کا موضوع بنالیا جاتا، تو بہت سے نو مسلمین اور ناواقفین کو اشتباہ پیش آجاتا، اور وہ دونوں کو خلط ملط کردیتے، جس میں امت کا بہت بڑا خسارہ اور نقصان تھا کہ ''کلامِ الٰہی'': ''کلامِ مخلوق'' سے مخلوط وملتبس ہوجاتا، اور یہود ونصاریٰ کی طرح نعوذ باللہ یہ اُمت بھی اپنے بے غبار اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ''دینی سرمایہ'' سے محروم ہوجاتی (دیکھو: ''تقیید العلم'' للخطیب البغدادی، ص ۵۷، ۹۳)۔

دوسری بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جو شخص اللہ کے رسول پر اُترے ہوئے، اور خود صحابہ ہی کے پہنچائے ہوئے، اسلام کے آئین اور قانون کو تسلیم کرلے گا، وہ اِنہی دونوں واسطوں سے آئی ہوئی اس کی تشریحات اور تفصیلات کو ماننے سے کیوں کر اِنکار اور اعراض کرے گا! اِس لیے اصل پر توجہ زیادہ اہم قرار پائی۔

قرآن وحدیث کے اِس تاریخی پس منظر کے لحاظ سے بھی، اور حفاظتی نقطۂ نظر سے دونوں کی نوعیتوں میں تفاوت کی وجہ سے بھی، بہت سی احادیث اور تفسیری روایات قرآنی الفاظ کی طرح تواتر اور شہرت کے درجے کو نہیں پہنچ سکیں، بلکہ اُن کا مدار اَفراد اور آحاد کی روایت ہی پر رہ گیا۔

نتیجتاً (''وحیِ الٰہی'' ہونے میں فی الجملہ اشتراک کے باجود) دونوں کی تشریعی حیثیت اور مقام ومرتبہ پر بھی فرق پڑا، کہ قرآن کو توعلی الاطلاق حجتِ قطعیہ مانا گیا، اور حدیث میں ''متواتر'' اور ''مشہور'' کو تو قریب قریب اسی درجے میں رکھا گیا، مگر ''اَخبارِ آحاد'' کو علی الاطلاق حجتِ قطعیہ کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا، بلکہ اُس کی صحت وصداقت کے اطمینان کے لیے، پہلے کچھ شرائط مقرر کی گئیں، کہ جو ''خبرِ واحد'' اِن شرائط پر پوری اترے گی اُسی کو شریعت کی حجتِ ملزِ مہ کے طور پر تسلیم کیا جائے گا، اور جو اِن پر پوری نہیں اترے گی اُن کو حجتِ ملزِ مہ نہیں مانا جائے گا۔ تاکہ دین وشریعت کے مصادر وماٰخذ میں کسی بھی پہلو سے، کسی بھی قسم کے خلط ملط کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

اَخبارِ آحاد کے حجتِ شرعیہ ملزِ مہ بننے کے لیے جو شرائط مطلوب ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱— الفاظِ حدیث کے ضبط اور صحتِ اداء کے پہلو سے راویوں کے حافظہ اور دیگر اَسبابِ حفظ وضبط (مثلاً کتاب اور درسی املاء وغیرہ) کی تحقیق ضروری قرار پائی، تاکہ اِس بات کا اطمینان کیا جاسکے کہ جو سنا ہے بعینہ وہی بیان کیا جارہا ہے، یا اُس میں خلط ووہم وغیرہ کی آمیزش ہوگئی ہے؟۔

۲— اِسی طرح اُن کی دیانت وامانت اور صداقت وراست بازی کی بھی تحقیق وتفتیش لازم ٹھہری، تاکہ جان بوجھ کر حدیث میں کذب بیانی، یا دین میں تلبیس وتبدیل کا امکان نہ رہ جائے۔

۳— نیز اِن دونوں پہلوؤں سے اطمینان کے بعد بھی، بڑے سے بڑے حافظِ حدیث اور امامِ زمانہ کے ہاں بشری تقاضے سے خطاونسیان اور اشتباہ والتباس کے خطرات موجود تھے، اس کے سدّ باب کے لیے محدثین کے ہاں تو ہر ہر روایت کے دیگر روایات اور طرق سے موازنہ اور مقارنہ کا نظام ہے، تاکہ اَکثر واَثبت اور اقویٰ واَوثق کی روایت کو راجح مان کر قبول کرلیا جائے، اور اُس کے معارِض جو روایت آئے اگر اُس کا اُس راجح روایت پر انطباق نہ ہوسکے تو اِس معارِض کو مرجوح قرار دے دیا جائے۔

۴— جب کہ فقہاء واصولیین کے ہاں یہ اُصول مقرر ہوا کہ ہر ہر روایت کو قرآنی اُصولوں اور

متواتر ومشہور احادیث سے ثابت شدہ ضابطوں پر پرکھا جائے ، جو روایت اِن متفق علیہ قواعد وضوابط کے موافق ہو وہ علی الاطلاق قبول کی جائے ، اور جو اِن سے معارض اور مخالف ہو، تو یا تو اس کا کوئی مناسب محمل نکال لیا جائے ، یا اُس سے ثابت شدہ حکم کا درجہ کم کر دیا جائے ، یا اس کو منسوخ کی قبیل سے مان لیا جائے ، اور یہ سب ممکن نہ ہو تو اُس کو معلول ومخدوش قرار دے کر رد کر دیا جائے ۔

اَخبارِ آحاد کی جانچ پڑتال، اور محدود اَفراد کے ذریعے نقل کی جانے والی احادیث وروایات کی حفاظت وصیانت کے نقطۂ نظر سے جو اصول وضوابط وضع کیے گئے، انہی اُصول وضوابط اور اُن کے لیے متعین کی گئی اصطلاحات کے مجموعہ کا نام ’’علم الحدیث‘‘ یا ’’فن حدیث‘‘ ہے۔

علم الحدیث اور تخصص :

ایک محقق عالم بننے کے لیے ویسے تو تمام دینی علوم وفنون کی کچھ نہ کچھ معرفت، اور واقفیت ضروری ہے، مگر کسی بھی علم وفن میں کمال ومہارت، یا کم از کم خاص اُنسیت اور مناسبت، اُس سے ایک طویل اشتغال اور اختصاص کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔

مبرّد نحویؒ فرماتے ہیں: جو با کمال عالم بننا چاہتا ہے اُس کو چاہیے کہ ہر علم سے بقدر ضرورت حاصل کر لے، پھر کسی ایک فن کو اپنا موضوع بنائے ، اور اسی میں کمال پیدا کرے۔ (’’عمدۃ الکتاب‘‘ للنحّاس النحوی ص ۱۴۶)۔

خلیل نحویؒ فرماتے ہیں کہ اگر اچھا عالم بننا چاہتے ہو تو کسی ایک فن میں اختصاص پیدا کرو

(’’جامع بیان العلم وفضلہ‘‘ لابن عبد البر ۱/ ۵۲۲)۔

امام محمدؒ کے خاص شاگرد اور حدیث ولغت کے مشہور امام ابو عبید القاسم بن سلامؒ فرماتے ہیں: مجھ سے کبھی بھی کسی جامع العلوم عالم نے مناظرہ نہیں کیا، مگر میں اُس پر غالب آ گیا، مگر جب کسی متخصص نے اپنے فن میں مجھ سے مناظرہ کیا تو وہ غالب رہا (’’جامع بیان العلم وفضلہ‘‘ لابن عبد البر ۱/ ۵۲۳)۔

لغت کے مشہور امام اصمعیؒ فرماتے ہیں: ہر فن میں مجھے اصل تعاون اُس کے متخصص سے ہی ملا۔

(’’عمدۃ الکتاب‘‘ للنحّاس النحوی ص ۱۴۷)۔

ویسے تو تمام علوم وفنون ہی کا معاملہ یہی ہے کہ اُن کے اندر کمال اور مہارت اُن میں خصوصی اشتغال کے بغیر نہیں حاصل ہوتی، مگر ’’علم الحدیث‘‘ اپنے موضوع کی شرافت، مقصد کی رفعت، مباحث کی وسعت،

مسائل کی کثرت، اور نتائج کی نزاکت کے لحاظ سے نہایت عظیم تر اور اہم ترین فن ہے، اِس لیے اِس سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے مزید اشتغال اور اختصاص درکار ہوتا ہے:

عبد اللہ بن المبارکؒ سے دریافت کیا گیا کہ: حدیث کی طلب کب تک جاری رکھنی چاہئے؟ فرمایا: ”اگر اللہ چاہے تو موت تک“ (”جامع بیان العلم وفضلہ“لابن عبد البر ۱/۴۰۶)۔

عبد الرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں: حدیث کا طالبِ علم دلال کی مانند ہوتا ہے، چند روز بھی بازار سے دور رہے تو اُس کی فنی مہارت میں فرق آجاتا ہے (”الجامع لاخلاق الراوی“۲/۲۷۸)۔

حدیث شریف میں ہے: **تَعَاهَدُوا هذَا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا** (بخاری: ۵۰۳۳، ومسلم ۷۹۱)۔ (اِس قرآن کو لازم پکڑے رہو، خدا کی قسم یہ لوگوں کے سینوں سے اُس سے کہیں زیادہ جلدی نکل جاتا ہے، جتنا کہ اونٹ اپنی باندھی گئی رسی سے بھاگ نکلتا ہے)۔

تو جس طرح قرآن کی حفاظت کے لیے اُس سے دائمی اشتغال ضروری ہے، اِسی طرح حدیث سے مناسبت پیدا کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے بھی دائمی اور ہمہ وقتی اشتغال ضروری ہے۔

البتہ طلبہ کے اندر اِس فن کا شوق وطلب پیدا کرنے کے لیے، بعض ماہرینِ فن اپنے ہاں ”شعبۂ اختصاص“ قائم کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ طلبہ یہاں رہ کر اِس فن کے ابتدائی خطوط سے واقفیت اور اس کے اُصول ومبادی کی معرفت حاصل کرلیں گے، تو جن کو ذوق وشوق ہوگا اُن کے لیے اِس اختصاصی نصاب ونظام کی روشنی میں اپنا آئندہ کا لائحۂ عمل طے کرنے میں بتوفیقِ الٰہی سہولت اور آسانی میسر ہوگی۔

موقع کی مناسبت سے یہاں شیخین جلیلین: محقق العصر حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی رحمہ اللہ (سابق رئیس شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن) اور حضرت الاستاذ مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم العالیہ (شیخ الحدیث، وناظم اعلیٰ، ونگرانِ حال شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف جامعہ مظاہر علوم) کے مابین ہونے والی اُس مکاتبت کا ایک اقتباس پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، جو مقدمہ ”الدر المنضود“ کے ضمیمہ میں (۱/۲-۱۴) درج ہے۔

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ نے حضرت الاستاذ دامت برکاتہم کو لکھا:

”یاد آتا ہے کہ ”تخصص فی الحدیث“ کے بارے میں آپ نے دریافت فرمایا تھا۔

محترما! تخصص تو وہ ہے جو شیخ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہو، جیسے آپ کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا، یا حضرت شیخؒ کو حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا۔

تجربہ بتاتا ہے کہ درجۂ تخصص کھولنے سے طلبہ کے دو سال اور لگ جاتے ہیں، اور حاصل کچھ نہیں ہوتا، بس وہی طالب علم فائدہ حاصل کرتا ہے جو اُستاد کا ہو رہے''۔

اِس کے جواب میں حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا:

''جناب نے اِس مکتوبِ گرامی کے اخیر میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے، اُس سے متعلق عرض ہے کہ اصل چیز تو وہی ہے جو جناب نے تحریر فرمائی، کہ تخصص تو وہ ہے جو شیخ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہو، باقی اِس شعبہ کا فائدہ یہ ذہن میں ہے کہ طالب علم کو دو سال تک استادِ حدیث کی خدمت میں رہ کر (وہ) کتبِ حدیث جو اَب تک نہیں پڑھی ہیں، اور نہ اُس کی نظر سے گذری ہیں، وہ سامنے آجائیں تو ہوسکتا ہے؛ اِس کوشش کے ذریعہ کسی خوش قسمت کو اِس فن میں آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہوجائے، اور وہ اِس میں لگ جائے، گویا اُس کو لائن پر لانا مقصود ہے۔

لیکن اگر کوئی اِس شعبہ سے فارغ ہوکر یہ سمجھنے لگے کہ اَب میں ''محدّث'' بن گیا تو یہ اُس کی نادانی ہے، اور ایسے شخص کے لیے اِس شعبہ میں داخل ہونا ہی مضر ہے، اصل چیز سچی طلب ہے، اگر اِس شعبہ میں داخل ہونے سے کسی میں وہ پیدا ہوجائے تو یہ بہت بڑا فائدہ ہے''۔ انتہی

اِسی مناسبت سے یہاں ہمارے شعبۂ تخصصِ حدیث کے اولین رئیس، محدثِ کبیر، استاذِ گرامی حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی معروفی رحمہ اللہ کی وہ آخری وصیت ذکر کرنا بھی مناسب ہے جو آپ نے اپنے مرض الوفات میں شعبہ کے رفقاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی:

''ہمارا یہ شعبہ (تخصص فی الحدیث) تواضع ہی سے کامیاب ہوا ہے، اور جب تک یہ چیز باقی رہے گی، ترقی ہوتی رہے گی''۔ یہ بھی فرمایا کہ ''شعبہ کے سب لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھیں، کوئی اپنے کو بڑا سمجھ کر اپنے کو کسی چیز کا مستحق نہ سمجھے''۔

امید کہ اِن متذکرہ بالا سطور سے حدیثِ پاک کی اہمیت، اور اس کے ساتھ ساتھ کسی متدین و متقی، متصلب اور پختہ فکر عالم و محدث کی نگرانی میں اِس فن میں اشتغال و اختصاص کی ضرورت و اہمیت بھی اچھی طرح واضح ہوگئی ہوگی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اِس سعادت سے بہرہ ور فرمائے، اور اِس عظیم نعمت کی قدردانی اور شکر گذاری کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

٭٭٭